خلافت ہی واحد حل ہے

تعارف

اخبار ٹائمز نے ایک بار ایک ہندو مصنف کے حوالہ سے لکھا تھا:

''ترکی آج ایک عالمی قوت اور عالم اسلام کے سربراہ کی حیثیت کے بجائے محض بلقان کی ایک ریاست بن کر رہ گیا ہے۔''

یہ اخبار سات مارچ 1924ء کا تھا، یعنی خلافت کے خاتمے کے محض چار دن بعد جب کہ غدارِ ملّت، یہودی النسل کمال اتاترک نے خلافت کا نظام تین مارچ کو ختم کر دیا تھا۔ اس حادثہ کے 80 سال بعد یہ احساس ہوا کہ بلقان کی مسلم ریاستوں بوسنیا اور کوسوو کے مقدر میں کیا کیا المیے لکھے تھے۔ ان لڑکیوں کا منظر کون بھول سکتا ہے جن کی عصمت ریزی کر کے درختوں سے لٹکا دیا گیا تھا؟ سیریبیر ینیکا کے میدانوں کو کون بھول جائے گا جو کٹی پھٹی لاشوں اور ہڈیوں سے پٹے تھے؟۔ یہ ان جرائم کا شکار ہوتے تھے جن کا ارتکاب اقوام متحدہ کی بزدل اور وعدہ خلاف امن فورس کی عین ناک کے نیچے ہوا۔ جس کے معاہدہ کی رو سے سرب دہشت گردوں کا مقابلہ کرنے والے مقامی مجاہدین کو غیر مسلح کر دیا گیا تھا لیکن اقوامِ متحدہ نے مسلم دشمن سربیائی افواج کے ہتھیار اُنہیں کے پاس رہنے دئے۔ یہ کتنا بڑا المیہ تھا کہ سلطان مراد کے بیٹے یہاں سے صرف 15 منٹ کی فاصلہ پر تھے، وہ مراد جو آج سے 400 سال پہلے اسلام کے اس علاقہ میں پہلے نقیب بنے تھے؟ مسلمانانِ عالم تڑپ رہے اور کتنے مایوس تھے کہ ان کی بڑی بڑی فوجیں اپنے بیرکوں میں آرام کر رہی تھیں اور مسلمانوں کے قاتلوں کا مقابلہ کرنے کے بجائے وہ مظلوم مسلمانوں کو ہوائی جہازوں سے کمبل، خوراک اور قرآن کے نسخے بھیج رہے تھے۔!

عالمی دادا گیروں کی جانب سے لگی پابندیوں کے نتیجے میں کتنے لاکھ بچے عراق میں بے بسی کی موت مر گئے؟ اور ان سطور کے لکھے جانے کے وقت عراق میں قتل و غارت گری مچانے کی تیاری جاری ہے۔ کئی ماہ پہلے عراق کو تاراج کیا جا چکا، ہزاروں معصوم مارے گئے اربوں کی جائداد تباہ ہوئیں اب امریکہ اور اس کے پٹھو افغانستان کے مسلمان امریکی بمباری اور مافیا غنڈے سرغنوں کی ذلیل اطاعت کب تک برداشت کریں گے۔ جو ان پر ایک فرسودہ ''لویہ جرگہ'' کے

حوالہ سے اور ایک امریکی کمپنی کے پشتون ایجنٹ کے ذریعہ تھوپی گئی ہے؟ ہر جگہ مسلمان اپنے کو کھلے میدان میں ترنوالہ محسوس کر رہے ہیں، فلسطین ہو یا عراق، چیچنیا ہو یا کوسوو۔ افغانستان، کشمیر، صومالیہ سے گجرات تک ایک ہی کہانی دہرائی جارہی ہے اور یہ فہرست طویل ہی ہوتی جا رہی ہے۔

خلافت کے خاتمہ کے بعد مسلمان مایوسی کے دلدل میں پھنستے چلے گئے۔ آج مسلم دنیا کا طرۂ امتیاز مایوسی، انتشار، خوں ریزی، جبر واستبداد اور غیر محفوظیت ہے۔ اس کا عالمی معاملات میں کوئی کردار نہیں۔ دشمن اس پر مسلط ہے اور وہ کچھ نہیں کر سکتی۔ اس سے بھی بڑی مصیبت یہ کہ خود ہمارے حکمراں دشمنوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں اور ہمارا گلا کاٹنے میں ان سے بھی آگے ہیں۔ اس افسوس ناک پسِ منظر میں کیا مسلمانوں کو خود سے یہ سوال نہیں کرنا چاہیے کہ وہ دنیا میں سب سے پیچھے کیوں ہیں؟ ہماری حکومتیں جبر واستبداد میں سب سے آگے ہیں وہ اپنے ہزاروں شہریوں کو بغیر مقدمہ چلائے جیلوں میں ٹھونسے رکھتی ہیں اور اپنے ہی ہزاروں لوگوں کو ٹارچر کرنے اور نشانۂ تعذیب بنانے میں انھیں کوئی باک نہیں ہوتا؟ ساری وجاری اور ظلم وزیادتی کا نشانہ بننے کے باوجود مسلم امہ آج کنفیوژن، کمزوری اور افتراق وانتشار کا شکار ہے، مثلاً عرب دنیا اپنی دولت اور پٹرول وڈالر کی طاقت کے باوجود اسرائیل کے خلاف کوئی بھی اثر نہیں رکھتی۔ ایک بلین سے زیادہ افراد پر مشتمل امت آیرلینڈ کے جتنی آبادی والے چھوٹے سے ملک اسرائیل کا بال بیکا نہ کرسکی؟ تیل کی درآمد سے اربوں ڈالر حاصل کرنے کے باوجود عرب دنیا میں کوئی بھی نسبتاً جدید صنعتی طاقتوں مثلاً کوریا اور سنگاپور جیسا بھی نہ ہوسکا۔ بے تحاشہ دولت ایک مضبوط فوج کی تشکیل میں اور کسی ایک بھی جنگ میں مسلمانوں واسلام کی فتح کا سامان کرنے میں استعمال نہیں ہوئی۔ یہ دولت ہمارے غریبوں کے کسی کام نہیں آسکی اس کے بجائے ہم اپنے بیچ ہی جنگیں لڑتے رہے اور گیارہ ستمبر کے بعد دہشت کے خلاف جنگ کے نام پر ایک بار پھر ہمارے اوپر بم برسنے لگے اور ہم پہلے ہی کی طرح نامردوں کی طرح بیٹھے رہے۔

آخر مسلم ملکوں کے بیچ باہمی معاشی تعاون اور وحدت کی فضا کیوں نہیں ہے؟ جبکہ

سعودیہ عربیہ کی ثروت اور سوڈان کی آبادی اور زراعتی امکانات، ایک بڑی اور کامیاب زرعی صنعت بن سکتے ہیں۔خلیج کے ملکوں کی مالیات اور مصری آبادی اور مہارت، ایک بڑی صنعتی طاقت کوجنم دے سکتے ہیں۔لیکن انھونے ایسانہیں کیا۔آخر کیوں؟ مذہب، تاریخ، زبان اور کلچر کے لحاظ سے ہم اتنے قریب ہوتے ہوئے بھی آخر ایسا کیوں ہے کہ ہم منتشر اور غیر متحد ہیں؟ ان کے علاوہ بوکھلا دینے والا ایک سوال اور بھی سب کے ذہنوں میں گردش کررہا ہے کہ زمانوں تک سپر پاور رہی مسلم امہ آج اتنی کمزور کیوں ہے؟ یہ کمزوری ہمارا ورثہ نہیں، اور نہ اس کمزوری کا اسلام سے کوئی تعلق ہی ہے۔ بلکہ ہم تو کمزور ہی اسلام کو چھوڑ کر ہوئے ہیں۔اگرچہ ہم کہنے کو تو مسلمان ہیں لیکن ہمارا ماحول، سوسائٹی اور سماج غیر اسلامی ہیں۔

آج کے مسلم معاشرہ کو اسلام کا ترجمان نہیں کہا جا سکتا کیونکہ رائج اقدار و تصورات اور قوانین وضوابط سب زندگی کے غیر اسلامی تصور سے نکلے ہوئے ہیں۔ ہماری وفاداریاں اسلام کو نہیں جاہلیتِ جدیدہ، سرمایہ داری، جمہوریت، سوشل ازم، نیشنل ازم، ذاتی مفاد، افادیت پسندی فخر و غرور اور توحید و حاکمیت الٰہ سے متصادم نظریات کو حاصل ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اسلامی اقدار ہم میں جگہ نہیں پاتیں۔ ہمارے ذہن و دماغ اسلامی تصورات سے روشن نہیں اور ہمارا طریقۂ زندگی فرقوں و مسلکوں کے تابع ہو کر رہ گیا ہے۔

1924ء میں جب دشمنِ اسلام کمال اتاترک نے قانونی طور پر نظامِ خلافت ختم کر دیا تو مسلمانوں نے آخر کار احکام شریعت اور اسلامی نظام سے ہر جگہ پیچھا چھڑا لیا۔ انہوں نے زندگی کا ضابطہ اور قانون، مغربی قوانین کو بنالیا اور اسلام کو زندگی کے ہر میدان سے نکال باہر کیا۔ شریعتِ خداوندی سے انحراف کرکے انہوں نے انسان کے خود ساختہ قوانین کو اختیار کر لیا۔ یہی مسلمانوں کی ذلت اور کمزوری کا بنیادی سبب ہے۔خلافت کے انہدام کے بعد مسلم ممالک ایک ایک کرکے یوروپی سامراجی قوتوں کے آگے گرتے چلے گئے۔ بطورخاص فرانس اور برطانیہ نے براہ راست مسلم دنیا پر اپنا سرمایہ دارانہ نظام معیشت، عدلیہ، تعلیم اور سیاست ہر میدان میں تھوپ دیا۔ مسلم ممالک مکمل طور پر سیکیو نظام کے تابع ہوکر رہ گئے۔

سامراجی قوتوں کے تحت بہت سے مغربی تعلیم وتربیت پائے افراد ریاست کے بلند مناصب پر فائز ہوگئے، انتظامیہ، سوسائٹی اور میڈیا میں اپنے اثر ورسوخ کے باعث انہوں نے مسلم ممالک میں معاشرہ کو مغربی بنانے کی کوشش کی۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد، پرانے طرز کے استعمار کو پیچھے ہٹ جانا پڑا۔ جنگ کے نتیجہ میں مغربی قوتوں کو زبردست معاشی دباؤ کا سامنا کرنا پڑا، اسی طرح استعمار کے خلاف سوویت پروپیگنڈا بھی بڑے پیمانے پر تھا۔ پھر ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے بھی اپنے ایجنڈے کو نافذ کرنے کیلئے یوروپی استعمار کے خلاف پریشر ڈالا، اسی لیے قابض قوتیں نوآبادیوں سے ہٹ گئیں۔ انہوں نے نوآبادیوں کو ظاہری آزادی دے دی۔ نئے آزاد ہوئے یہ ممالک مغرب کے پرورش یافتہ مغربی تعلیم یافتہ نئی سیکولر نسل کے ہاتھوں میں دیے گئے۔ اور انہوں نے اپنے آقاؤں کی نگرانی میں استعماریوں کے نقش قدم پر چلنے کی راہ اختیار کی۔ ان ملکوں کی تجدید وترقی کے لیے اسلام کو چھوڑ کر باقی سبھی نسخے اور طریقے سیکولر لیڈروں نے اختیار کیے۔ تاہم نتیجہ بالکل برعکس نکلا ہے۔ سیاسی محاذ پر بدترین آمریت اور کرپشن پھیلا ہوا ہے، یہ حکومتیں قوم کو غریب، پس ماندہ اور منتشر کرنے کے علاوہ اور کچھ نہ دے سکیں۔ نتیجہ اس کے علاوہ اور کیا ہونا تھا کہ مسلم دنیا اور زیادہ اپنے دشمنوں ہی پر منحصر اور ان کی محتاج ہوگئی۔ مختصر یہ کہ سیکولرزم کے علمبردار، نہ صرف مادی مفکرین کے موہوم خوابوں کو شرمندۂ تعبیر کرنے میں ناکام رہے، بلکہ اِن ناکام تجربات کے باعث بعض مسلم ممالک مغربیت کے غلام ہو گئے اور بعض کمیونسٹوں کی گود میں جا بیٹھے۔ مسلم ملکوں کو سامراجی قوتوں سے آزاد کرنے کی شجاعانہ لڑائی میں اسلام ہی اصل عامل اور قوت کا سرچشمہ ثابت ہوا۔ لیکن آزادی کی لڑائی کا نتیجہ فتح کی صورت میں سامنے آیا تو وہ سارے عناصر جو اس لڑائی کے رہنما تھے اقتدار سے کنارہ کش کر دیے گئے۔ سیکولرسٹوں نے اقتدار غصب کرلیا۔ تیونس، الجزائر، مصر اور پاکستان ہر جگہ یہی کہانی دہرائی گئی۔ اسلام پسندوں کو مکاریوں اور طاقت کے ذریعہ ایوان اقتدار سے دور رکھا گیا۔ تاہم انہو نے ایک لمحہ کے لیے بھی کام نہیں چھوڑا۔ انہوں نے معاشرہ کی ترقی اور معیارِ زندگی کو بلند کرنے کے لیے کام کیا، مسلمانوں اور اسلام کے خلاف سیکولرسٹوں کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کی

جدوجہد کی۔ان کے سیکولر سیاسی ایجنڈے کی ناکامیاں ثابت کیں۔

جب ان اجنبی نظام ہائے سیاست کی ناکامی پوری طرح واضح ہوگئی اور ہر شخص نے بہ چشمِ خود اس کا نظارہ کرلیا تو لوگوں نے سوچنا شروع کیا کہ اس کرپشن اور جبر سے اسلامی متبادل ماڈل ہی نجات دلا سکتا ہے۔ یہ اسلام ہی ہے جو ذلت، کمزوری، انتشار اور بے حسی کی اس فضا کو توڑ سکتا ہے جس نے مسلم معاشروں کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ اسی شعور کے نتیجہ میں دو دہائیوں سے عالمِ عرب میں اور پوری مسلم دنیا عرب، افغان، افریقہ، ایران، کرد، ملیشیا، پاکستان، ترکی اور مختلف قوموں کے دوسرے مسلمان اسلام کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ اس کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ معاشرہ اور ریاست کے قوانین کی اسٹڈی کر رہے ہیں اور اسلام کو ایک ضابطۂ حیات کی حیثیت سے قبول کر رہے ہیں، اسے نافذ کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ اسلام پسندوں کا جوش وخروش نہ صرف قابلِ دید ہے بلکہ اس کی وجہ سے سلطانی ایوان لرزہ براندام ہیں اور عالمی قوتیں اس نئے جذبہ سے پریشان ہیں اور اُس کو دبانے کی سازشیں کر رہی ہیں۔ اس نئے جذبۂ اسلامی نے ہر مسلمان کے دل میں امید کی یہ جوت جگا دی ہے کہ اسلام کو ایک نظام کی حیثیت سے زندگیوں میں عملاً ابحال کیا جاسکتا ہے، ہمیں اس کے لیے جو کچھ کرنا ہے وہ یہ کہ اس مبارک جدوجہد میں سرگرم حصہ لیں۔ اصل مسئلہ کو سمجھیں اور اس کے حقیقی اسباب پر غور کریں پھر اس کے تدارک اور حل کے لیے آگے بڑھیں۔

مسئلہ کا حل خلافت ہے

اللہ تعالیٰ کا مطالبہ یہ ہے کہ لوگ صرف اور صرف اسی کی عبادت واطاعت کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے تصورات، اقدار، قوانین اور ضابطۂ حیات، الوہی مصدر قرآن وسنت سے اخذ کریں۔ ان کے علاوہ اور کسی کو مصدر قانون اور اتھارٹی بنانے کے معنی یہ ہیں کہ لَآ اِلٰہ اِلا اللہ کی نفی کی جارہی ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کے محض ایمان لانے پر ہی اکتفا نہیں کرلیتا بلکہ اُنہیں زندگی کے تمام مسائل کا حل بتلاتا ہے اور یہ تقاضہ کرتا ہے کہ اُن طریقوں کو بحیثیتِ نظام نافذ

کیا جائے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کر بتایا اور اپنے بعد آنے والے خلفاء کیلئے نمونہ چھوڑا ہے کیونکہ یہ بھی عبادت ہے، اور جب تک مسلمان احکام شریعت کو زندگی میں عملاً نافذ کرتے رہے اور برتتے رہے تھے وہ دنیا کی سب سے بڑی قوت رہے۔ یہ معلوم تاریخ کی سب سے بڑی تہذیب تھے اور پھر جب ہم نے احکامِ اسلام کے پابندی میں ڈھیل برتی، تو ہم بہ حیثیتِ ملک وقوم تنزل کا شکار ہو گئے۔ پھر آخر میں جب ہم نے اسلام کو بہ حیثیت ضابطہء حیات ترک کر دیا تو ہمارا انحطاط اور تنزل مکمل ہو گیا اور آج ہماری شکستگی و ذلت ہر آدمی پر عیاں ہو گئی۔ اسلامی عقائد پر ایمان اور اس کے قوائد وضوابط کو نافذ کرنے میں ہی ہمارا احیاء پوابستہ ہے۔ جب ان دونوں باہم منحصر عناصر یعنی عقائد پر ایمان اور احکام وضوابط کے نفاذ، کو ہم آہنگ کر دینگے تو ہی مسلمان ترقی کر پائینگے۔ اور اللہ کی خوشنودی حاصل کر کے ہم دنیا کی امامت کے منصب پر فائز ہو سکیں گے۔ لیکن جب تک ہم اسلامی نظام کو زندگی میں نافذ نہیں کرتے ہمارا زوال رک نہیں سکتا اور وہ قومیں جو کبھی ہماری برابری کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتی تھیں ہمارا استحصال کرتی رہیں گی، ہمیں دھوکہ دیں گی اور ہم مایوسی کی دلدل میں کراہتے رہیں گے۔

آج غیر اسلامی حکومتیں ظلم وجبر اور جارحیت کی قوتوں سے کام لیکر ہمیں اسلامی زندگی گزارنے سے روک رہی ہیں، اسی لیے ان ظالمانہ حکومتوں کا خاتمہ ضروری ہے اور ان کی جگہ ایک اسلامی حکومت یعنی خلافت اسٹیٹ کا قیام لازمی ہے۔ نظامِ خلافت کا احیاء صرف عملی ضرورت ہی نہیں بلکہ ایک دینی فریضہ بھی ہے۔

خلافت کی تعریف

وہ اسلامی ھیئۃ اجتماعیہ جو احکام شریعت کے نفاذ اور اسلام کی دعوت دینے کی ذمہ دار ہے اسے خلافت کہتے ہیں۔ خلافت اسلام کے نظامِ حکمرانی کا نام ہے جو دوسرے تمام وضعی نظام ہائے ریاست سے بالکل الگ اور ممتاز ہے۔ جس کی اساس صرف اللہ کی کتاب اور رسول ﷺ کی سنت ہیں۔ بعض اسے امامت سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں

ایک ہی چیز ہیں۔صحیح احادیث سے یہی ثابت ہے۔نام کوئی بھی دیا جائے۔احادیث جس نظام کے بارے میں بتاتی ہیں مسلمانوں کو اسے اختیار کرنا ضروری ہے۔خلافت سے مراد دنیا کے مسلمانوں کی عالمی اور مشترکہ حکمرانی کا وہ سسٹم ہے جو اسلامی شریعت کا نفاذ بھی کرے اور اسلام کی دعوت بھی دے۔امامت کا مفہوم بھی یہی ہے۔

نظامِ خلافت کا قائم کرنا فرض ہے

دنیا بھر کے مسلمانوں پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنے لیے ایک خلیفہ مقرر کریں۔یہ فریضہ بھی دوسرے فرائض کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے عاید کردہ ہے لہذا اس کی ادائیگی بھی ہونی چاہیے۔اس میں آدمی کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ اس میں سستی برتتے یا اس سے صرف نظر کرلے۔اس کی عدم ادائیگی ایک بڑا گناہ ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ شدید سزا دے گا۔ہمارے اس فہم کی تائید اللہ کی کتاب سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم،اور اجماعِ صحابہ سے ہوتی ہے۔

سنت سے دلیل:

عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں، میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو فرماتے سنا:

مَنْ خَلَعَ يَداً مِنْ طَاعَة لقى الله يوم القيامة لا حجة له، ومن مات و ليس فى عنقه بيعة مات ميتة جاهية. (مسلم شریف کی روایت)

ترجمہ: ''جو شخص خلیفہ کی اطاعت سے الگ ہوجائے وہ اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن یوں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی اور جو شخص مرجائے اور اس کی گردن میں بیعتِ امامت نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

اس حدیث کی رو سے پیغمبرِ اسلام ﷺ نے ہر مسلمان کے لیے امام کی بیعت لازمی قرار دی ہے اور جو بیعت کے بغیر مرے گا وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔بیعتِ اطاعت خلیفہ کے علاوہ اور کسی کے لیے جائز نہیں گرچہ لفظاً۔ بیعت ہر مسلمان کے لیے راست طور پر ضروری نہیں بتائی گئی لیکن حدیث کی مراد یہی ہے کہ ہر عاقل و آزاد مسلمان کو نظامِ امامت کے تحت رہنا چاہیے۔اس کے معنی

یہ ہیں کہ نظامِ خلافت کا قیام اور خلیفہ کی تنصیب لازمی ہے کہ اس کے بغیر بیعت کا فریضہ ادا نہیں ہو پائے گا۔ اس سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ خلیفہ کی تنصیب واجب ہے صرف یہ نہیں کہ بیعت واجب ہو کیوں کہ نفسی بیعت نہ ہونے پر ملامت نہیں کی گئی بلکہ امام کی بیعت نہ ہونے کو جاہلیت کی موت قرار دیا گیا ہے۔

ہشام بن عروہ نے ابوصالح سے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

سیلیکم بعدی ولاۃ فیلیکم البر ببرہ، و یلیکم الفاجر بفجورہ، فاسمعوا لھم و أطیعوا فی کل ماوافق الحق. فإن أحسنوا فلکم ولھم وإن أساؤا فلکم و علیھم.

(الماوردی)

ترجمہ: ''میرے بعد تمہارے اوپر نیک اور بد ہر طرح کے حکمراں ہوں گے جو نیک ہوں گے وہ نیکی سے اور جو فاجر ہوں گے وہ فسق و فجور کے ساتھ حکومت کریں گے۔ جب تک وہ حق کے مطابق عمل کریں ان کی اطاعت کرو، اگر وہ صحیح عمل کرتے ہیں تو تمہارے اور ان کے حق میں بہتر ہوگا۔ اور اگر وہ برا عمل کریں گے تو یہ تمہارے حق میں اور ان کے خلاف جائے گا۔''

مسلم شریف میں الأعرج نے حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا:

إنما الإمام جنة یقاتل من ورا ءہ ولیتقی بہ .

ترجمہ: ''امام ایک ڈھال ہے جس کی آڑ میں لوگ جہاد کرتے اور اپنا دفاع کرتے ہیں۔''

امام مسلم نے ابوحازم سے روایت کرتے ہوئے نقل کیا کہ وہ کہتے ہیں:

قاعدت أبا ھریرۃ خمس سنین فسمعتہ یحدث عن النبی ﷺ قال: کانت بنو إسرائیل تسوسھم الأنبیاء، کلما ھلک نبی خلفہ نبی وأنہ لا نبی بعدی، وستکون خلفاء فتکثر، قالوا: فما تأمرنا؟ قال: فوابیعۃ الأول فا لأول، وأعطوھم حقھم فإن اللہ سائلھم عما استرعاھم.

ترجمہ: ''میں ابو ہریرہؓ کے ساتھ پانچ سال رہا اور ان سے سنا کہ نبی اکرمؐ فرماتے تھے کہ بنی اسرائیل پر انبیاءؑ حکومت فرماتے تھے۔ جب بھی کسی نبی کی وفات ہوتی دوسرا نبی اس کی جگہ لے لیتا۔ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ میرے بعد بہت سے خلفاء ہوں گے۔ لوگوں نے پوچھا: آپ ایسی صورت میں کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا پہلے کی بیعت پوری کرنا اور پھر اس کے بعد والے کی۔ ان کو ان کا حق دو اللہ نے ان کو جو ذمہ داری دی ہے اس کی پوچھ گچھ ان سے کرے گا۔''

عبداللہ بن عباس روایت کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے فرمایا:

مـن كـره مـن أميـره شيئاً فليصبر عليه، فإنه ليس أحد من الناس خرج من السلطان شبراً فمات عليه إلا مات ميتةً جاهليةً.

(بخاری و مسلم)

ترجمہ: ''جس شخص کو اپنے امیر کی کوئی بری لگ جائے تو اس پر صبر کرے کیونکہ سلطان کی اطاعت سے جو باہر نکلے اور اس حالت میں مر جائے تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔''

ان احادیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ نبیؐ کے بعد بہت سے حکمراں ہوں گے۔ ان میں خلیفہ کو ایک ڈھال بتایا گیا ہے۔ امام کو ڈھال یعنی حفاظت کا ذریعہ قرار دیکر گویا اس کی تقرری مسلمانوں پر واجب کی جارہی ہے۔ کیونکہ جب اللہ اور اس کے رسول کے کلام میں کسی چیز پر کوئی عتاب ہوتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اس کو منع کیا جارہا ہے۔ اور اگر آیت یا حدیث میں کسی چیز کی تعریف کی جاتی ہے تو اسے ایک حکم شرعی کے بطور لیا جاتا ہے اور اگر اس حکم شرعی کو چھوڑنے سے کسی قانون الٰہی کا ترک لازم آتا ہو تو پھر اس کا لزوم اور فرضیت اور مؤکد ہو جاتی ہے۔ حدیثوں میں آتا ہے کہ مسلمانوں کے امور خلفاء چلائیں گے۔ لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ خلفاء کی تقرری و تنصیب ہونی چاہیے۔ احادیث کے مطابق مسلمان اقتدار (بیعتِ امامت) سے الگ نہ ہوں یعنی وہ اتھارٹی قائم کریں۔ اللہ کے رسولؐ نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ مسلمان خلیفہ کی اطاعت کریں اور ان کے باغیوں سے لڑیں۔ مفہوم یہ ہوا کہ مسلمان خلیفہ مقرر کریں اور جو ان سے خلافت کے

معاملہ میں اختلاف کرے، ان سے خلافت کا تحفظ کریں۔

مسلمؒ نے عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا:

ومن بايع إماماً فأعطاه صفقة يده و ثمرة قلبه فليطعه إن استطاع، فإن جاء آخر ينازعه فاضربوا عنق الآخر.

ترجمہ: ''جو کسی امام سے بیعت کرے اور اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدے اور دل و جان سے اس کی اطاعت کا اقرار کرے تو مقدور بھر اس کی اطاعت کرے اور اگر کوئی دوسرا امام اُسکے مقابلہ میں نکل آئے تو دوسرے کی گردن ماردی جائے۔''

اس سے بھی مستفاد ہوتا ہے کہ خلیفہ کی اطاعت کا مطلب ہے اس کی تقرری کا حکم اور اس کے خلاف اٹھنے والوں سے جنگ کرنے کے حکم سے ایک وقت میں ایک ہی خلیفہ ہونے کا حکم اور مؤکد ہوجاتا ہے۔

اجماع صحابہؓ:

خلیفہ کی تقرری پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہے۔ نبیؐ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی خلافت اور ان کی وفات کے بعد ان کی جانشینی کے لیے حضرت عمرؓ کی بحیثیت خلیفہ تقرری پر اور ان کے بعد حضرت عثمان اور ان کی شہادت پر حضرت علیؓ کی خلافت پر تمام صحابہ کرام کا اجماع و اتفاق تھا۔ خلافت کے قیام پر صحابہؓ کا اجماع خود اس بات سے بھی ظاہر ہے کہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی تجہیز وتکفین کے مسئلہ پر آپ کے جانشین کی تقرری کو زیادہ اہمیت دی گئی۔ فقہی مسئلہ یہ ہے کہ وفات کے بعد کسی بھی میت کی تکفین پہلا فرض ہے، اور جب تک یہ کام پورا نہ ہوجائے، تدفین کرنے والوں کو کسی دوسرے معاملہ میں لگ جانا حرام ہے۔ لیکن اس کے باوجود کبار صحابہؓ نے خلافت کا مسئلہ سلجھانے کو زیادہ ترجیح دی جبکہ ان کا پہلا کام پیغمبرؐ کی تکفین ہونا چاہیے تھا اور دوسرے صحابہؓ نے باوجود اسکے کہ وہ قادر تھے اس بات پر کہ اس تاخیر کی مذمت کریں اور ازخود تدفین کردیں ایسا نہیں کیا، بلکہ انتظار کیا کہ امر خلافت طے ہوجائے۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام کا اس بات پر اجماع تھا کہ خلیفہ کی تنصیب متوفی کی تدفین سے بھی زیادہ اہم ہے بلکہ تدفین اس کے بغیر جائز

بھی نہ ہوتی۔ بعد کے ادوار میں صحابہ کرامؓ میں اس بات پر تو اختلاف ہوا کہ خلیفہ کیسے بنایا جائے لیکن فی نفسہ خلافت پر کبھی بھی اختلاف نہیں ہوا۔

اقامت دین اور نفاذ شریعت فرض ہے۔ جس کے بے شمار دلائل ہیں۔ لیکن اقامت دین اور نفاذ شریعت بغیر کسی قوت نافذہ کے ممکن نہیں۔ قوت نافذہ خلیفہ کے پاس ہوتی ہے اور شریعت کا متفقہ اصول ہے کہ

مالا یتم الواجب الإبه فهو واجب.

یعنی جس چیز کے بغیر کوئی واجب پورا نہ ہوتا ہو اس کا حصول بھی فرض ہے۔ اس اصول کی رو سے بھی خلیفہ کا ہونا واجب اور ضروری ہے۔

قرآن کی شہادت

اس بارے میں قرآن کا حکم بھی بہت واضح ہے۔ ایک جگہ رسول ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا:

فاحكم بينهم بما أنزل الله ولا تتبع اهواء هم عما جاء ک من الحق . (المائده: 48)

آپ ان کے آپس کے معاملات میں اسی اللہ کی اتاری ہوئی کتاب سے فیصلہ کیجیے اس حق سے ہٹ کر آپ ان کی خواہشوں کے پیچھے نہ جایئے''

اور آگے مزید فرمایا:

وأن احكم بينهم بما أنزل الله ولا تتبع أهواء هم و احذرهم أن يفتنوک عن بعض ما أنزل الله إليک (المائدة:49)

''آپ ان کے معاملات میں خدا کی نازل کردہ وحی کے مطابق ہی حکم کیا کیجیے ان کی خواہشوں کی تابعداری نہ کیجیے اور ان سے ہوشیار رہیے کہ کہیں یہ آپ پر اتارے ہوئے کسی حکم سے ادھر ادھر نہ کریں۔''

پیغمبر سے خطاب کر کے جو بات کہی جاتی ہے اس کا مخاطب امت کو بھی سمجھا جاتا ہے۔ اِلّا یہ کہ کسی قرینہ سے یہ پتہ چل جائے کہ یہ حکم رسول کے لیے خاص ہے۔ یہاں ایسا کوئی قرینہ نہیں ہے یہ

ومن لم يحكم بماانزل الله فاولئک هم الكافرون. [المائده: 44]

"اور جو اس چیز کو واجب العمل قرار نہ دے جسے اللہ نے نازل فرمایا ہے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔"

رسول ﷺ نے فرمایا: "جو کوئی بھی اس حالت میں مرا کہ اس کی گردن پر خلیفہ کی بیعت کا طوق نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرا۔" (مسلم)

آیاتِ کریمہ اللہ کی حاکمیت کی اقامت کا مطالبہ کرتی ہیں اور خلیفہ کی تقرری کا مفہوم اللہ کی حاکمیت کے قیام کے علاوہ اور کچھ نہیں اور خلیفہ کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر اس کی اطاعت کا صریح حکم دیا گیا ہے۔فرمایا:

یـا ایهـا لـذیـن آمـنـوا أطیـعـوا الـلـه و أطیعوا الـرسـول وأولـی الأمر منکم. (النساء: 59)

''اے ایمان والوں! اللہ کی، اور اس کے رسول کی اور اپنے اولی الامر کی اطاعت کرو۔''

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی چیز کی اطاعت کا حکم نہیں دے گا جو موجود نہ ہو۔اسی لیے ایک حکمراں (خلیفہ) کا وجود لازمی ہے۔اور اس کی اطاعت کے حکم کے معنی بھی یہ ہیں کہ اس کی تقرری ضروری اور واجب ہے۔احکام الٰہیہ کی تنفیذ قوت نافذہ پر موقوف ہے،قوت نافذہ خلیفہ کی ذات ہے،خلیفہ کے نہ ہونے کا مطلب ہے کہ الٰہی قانون نافذ نہیں، احکام شرع معطل ہیں۔جو ایک گناہ ہے اور اس سے اسی طرح بچا جا سکتا ہے کہ ایک حکمراں (خلیفہ) موجود ہو۔مذکورہ بالا دلیلوں سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ مسلمانوں کے درمیان قوت نافذہ کا ہونا فرض ہے، یہ قوت نافذہ خلیفہ کے پاس ہوگی جو شریعت الٰہیہ کی تنفیذ کرے گا۔اس لیے اس کا نصب کرنا بھی فرض ہے اور یہ محض قوت اور اقتدار ہی کے لیے نہیں بلکہ اس کا مقصد ذیل کی حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

امام مسلم نے بروایت عوف بن مالک الأشجعیؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

''خیـار أئـمـتـکـم الـذین تـحبـونهم ویحبـونکم و یصلون علیکم و تـصلون علییهم، وشرار أئمتکم الذین تبغضونهم و یبغضونکم و تـلـعـنـونهم و یلعنونکم، قیل یارسول الله افلا تنابذهم بالسیف، فـقـال: لا مـا اقـامـوا فـیـکم الصلا ة، و اذا رائتم من ولاتکم شیئاً تکرهونه فاکرهوا عمله ولا تترعوا یداً من طاعته''.

ترجمہ:'' تمہارے اچھے امام وہ ہوں گے جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں وہ

تمہارے لیے دعا کریں تم ان کے لیے دعا کرو، تمہارے برے امام وہ ہوں گے جن سے تم نفرت کرو وہ تم سے نفرت کریں، تم ان پر لعنت کرو وہ تم پر لعنت کریں۔ کہا گیا، یارسول اللہ! کیا ہم ان سے تلوار کے ذریعہ جنگ نہ کریں، فرمایا: ''پس جب تک وہ اقامتِ صلاۃ کریں۔ جب تم اپنے والیوں کی طرف سے کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھو تو ان کے کام کو ناپسند کرو لیکن ان کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچو''۔

اس حدیث میں واضح طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ حکمراں اچھے بھی ہوں گے برے بھی، لیکن برے بھی جب تک اقامتِ صلاہ کریں ان کے خلاف ہتھیار نہ اٹھایا جائے گا۔ اقامتِ صلاۃ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اقامت دین اور نفاذ احکام شریعت مراد ہے۔ مذکورہ بالا کی روشنی میں ایک خلیفہ کی تقرری جو احکام اسلام کو نافذ کرے ساتھ ہی دعوتِ دین کا فریضہ بھی انجام دے نصوصِ شرع کے حوالہ سے شک وشبہ سے بالا ہے۔ مزید برآں یہ فرض بھی ہے کیونکہ اللہ نے مسلمانوں پر یہ فرض قرار دیا ہے کہ وہ اقامت دین کریں اور مسلمانوں کی عزت وآبرو کا دفاع کریں۔ تاہم یہ اجتماعی فریضہ ہے جسے فقہی اصطلاح میں فرض کفایہ کہا جاتا ہے۔ یعنی اگر کسی فریضہ کو کچھ لوگ انجام دیدیں تو بقیہ سے اس کی ادائگی ساقط ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر گوئی بھی جماعت اسے ادا کرنے سے عاجز ہو جائے تو پھر یہ امت کا اجتماعی فریضہ بن جاتا ہے۔ اور جب تک مسلمانوں کا کوئی خلیفہ نہیں ہوتا تب تک یہ فرض ان پر عائد رہے گا۔

<u>کتنی مدت میں خلیفہ کا تقرر ہو جانا چاہیے اور اس ذمہ داری کو پورا نہ کرنے پر کیا نتائج برآمد ہوں گے؟</u>

بیعتِ امامت کے بغیر مسلمانوں کے لیے دوراتوں سے زیادہ گزارنا حرام ہے۔ صحابہؓ کے اجماع سے یہی مستفاد ہوتا ہے۔ صحابہؓ کو جیسے ہی نبی اکرمؐ کی وفات کی خبر ملی وہ سقیفۂ بنوسعدہ میں خلیفہ کی تنصیب کے مسئلہ پر غور وفکر کے لیے جمع ہو گئے۔ پیغمبرؐ کو ابھی دفن نہیں کیا گیا تھا۔ دوسرے دن بھی گفتگو جاری رہی پھر وہ مسجد نبوی میں انعقاد بیعت کے لیے جمع ہوئے اور تکمیلِ بیعت کے بعد انہوں نے تدفینِ نبی کی تیاریاں کیں جبکہ آپ کی وفات پر تین دن دوراتیں گزر چکی تھیں۔ مطلب یہ ہے کہ جانشین کی تقرری کو تدفین پر ترجیح دی گئی۔

جب حضرت عمر بن خطاب کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے صحابہؓ میں سے چھ لوگوں کو

خلافت کے لیے نامزد کر دیا کہ ان میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنا لیا جائے۔ ان چھ حضرات میں عثمانؓ، علیؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی تھے۔ عمرؓ کا حکم تھا کہ اگر تین دن کے اندر اندر خلیفہ کی تعین پر یہ لوگ متفق نہ ہو سکیں تو اختلاف کرنے والے کا سر قلم کر دیا جائے۔ کسی نے بھی اس حکم سے اختلاف نہیں کیا حالانکہ کسی معقول سبب کے بغیر کسی کو قتل کرنا حرام ہے اور یہ چھ حضرات کوئی عام انسان نہیں عشرۂ مبشرہ میں شامل تھے۔ ان حضرات کا اس بات پر اتفاق یہ ثابت کرنے کے لیے بالکل کافی ہے کہ مسلمانوں کے لیے تین دن سے زیادہ بغیر کسی خلیفہ کے رہنا حرام ہے، مذکورہ چھ حضرات میں سے حضرت عثمان کو خلیفہ چن لیا گیا تھا۔ نئے خلیفہ کا انتخاب اسی وقت سے واجب ہو جاتا ہے جب خلیفۂ وقت کا انتقال ہوا ہو یا اسے معزول کیا گیا ہو۔ لیکن اگر انتخابِ خلیفہ میں دو دن سے زیادہ تاخیر ہو جائے تو مسئلہ پر غور کرنا چاہیئے، اگر امت خلیفہ کے انتخاب کیلئے کوشاں رہی ہو اور ناگزیر حالات کی وجہ سے اس مدت میں انتخاب نہ کر پائی ہو تو یہ گناہ اس پر سے ساقط ہو جائیگا کیونکہ بہرحال امت نے کوشش کی اور ناگزیر حالات کے سبب خلیفہ کا انتخاب نا ہو پایا لیکن اگر سرے سے یہ کوشش ہی نا کی گئی ہو تو پھر امت گنہگار ہوگی۔

مسلمانوں کا ایک امیر و خلیفہ منتخب نہ کرنا ایک بڑا گناہ ہوگا کیونکہ یہ ایک انتہائی فریضہ کی ادائیگی سے روگردانی ہوگی۔ شریعت کا نفاذ اور کارزار حیات میں اسلام کی بقاء و وجود اس فریضہ کی ادائیگی پر موقوف ہے۔ لہذا اس کی عدم ادائیگی گناہ کا باعث ہوگی اور اگر اس سے وہ اجتماعی طور پر پہلو تہی کرنے لگیں اور اس پر راضی ہو جائیں تو دنیا کے ایک ایک مسلمان پر اس کا گناہ ہوگا۔ کچھ مسلمان اس کی ادائیگی میں لگیں بقیہ اس سے صرف نظر کریں تو جو اس کے لیے مصروف ہوں گے وہ بری الذمہ اور باقی گنہگار ہوں گے کیونکہ سب کی شرکت سے ہی اجتماعی گناہ ساقط ہوگا۔ اس مبارک عمل میں حصہ لینے کا یہ ثمرہ ہے اور ایسے لوگ موانع و مشکلات کی پرواہ نہیں کرتے۔ اس عمل میں حصہ نہ لینے والے اس لیے گنہگار ہوتے ہیں کہ وہ ایک فرض کی بجا آوری میں کوتاہی کرتے ہیں اور اس میں اپنا کردار ادا نہیں کرتے۔ اس لیے وہ نہ صرف خطا کار ہوتے ہیں بلکہ دنیا و آخرت دونوں میں اللہ کی لعنت و غضب کے سزاوار ہو جاتے ہیں اور کیوں نہ ہوں، خلافت کے قیام میں

دل چسپی نہ لینے کے معنی یہ ہیں کہ حاکمیت الہٰ سے روگردانی کی جارہی ہے۔ حکومتِ الٰہیہ نہ ہونے سے کتنے ہی شرعی احکام معطل ہو رہے ہیں، دین حق غالب نہیں ہو رہا ہے، اللہ کا کلمہ بلند نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ اپنے اس فرض کو ادا نہ کریں گے وہ سزا کے تو صاف صاف مستحق ہوں گے۔

خلافت کی وحدت

مسلمانوں کو ایک خلافت اور ایک ریاست سے زیادہ کی اجازت نہیں۔ ذیل کی حدیثیں اس کی دلیل ہیں۔ ابوسعید الخدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ:

إذا بويع لخليفتين فاقتلوا الآخر منهما

''جب دو خلفاء کے لیے بیعت لی جائے تو ان میں جو بعد کا ہو اس کو قتل کرڈالو'' (مسلم)۔

اسی طرح عبداللہ بن عمروالعاص روایت کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ:

ومن بايع إماماً فأعطاه صفقة يده و ثمرة قلبه فليطعه إن استطاع، فان جاء آخر ينازعه فاضربوا عنق الآخر.

ترجمہ: ''جو شخص کسی امام سے بیعت کرلے، اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدے، دل وجان سے اس کی اطاعت کا اقرار کرلے تو پھر مقدور بھر اس کی اطاعت کرے، اور اگر کوئی دوسرا امامت کا دعویٰ لے کر نکل آئے تو دوسرے کی گردن ماردو۔''

حضرت عرفجہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا:

من أتاكم و أمركم جميع على رجل واحد يريد أن يشق عصاكم أو يفرق جماعتكم فاقتلوه (مسلم).

''جو شخص اس وقت نکلے جب تم کسی ایک امام کی بیعت پر متفق ہو جاؤ تو وہ جماعت میں تفریق اور انتشار پھیلانا چاہے تو اسے قتل کردو۔ ان احادیث کی رو سے جب خلافت قائم ہو جائے گی تو اس کا حق ہوگا کہ وہ مسلمانوں کی دوسری مملکتوں کو اپنے میں ضم کرلے تاکہ سب کو ملا کر ایک متحدہ ریاست بن سکے۔ موجودہ جغرافیائی حدود و قیود جن کے باعث مسلمان منتشر ہوں

گرادینی ہوں گی۔ یہ حدود سامراجی قوتوں نے قائم کیے ہیں جنہوں نے کبھی دنیا پر قبضہ کر لیا تھا۔

اقامتِ خلافت اطاعت رسول ہے

اقامتِ خلافت اس لیے فرض ہے کہ وہ اللہ کے رسول کی سنت ہے، اوران کے ارشادِ عالی کی بجا آوری ہے۔ اس معاملہ میں نبی اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی ایسے ہی کی جائے گی جیسے نماز، روزہ اور حج وغیرہ احکام دین کی پیروی کی جاتی ہے، آپ کی یہ حیثیت خود قرآن نے یوں متعین کی ہے:

"وما ينطق عن الهوى إن هو إلا وحي يوحى. (النجم: 4-3)

"وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتا بلکہ جو کچھ بھی کہتا ہے وہ وحی الٰہی ہوتی ہے"۔

اور فرمایا:

من يطع الرسول فقد أطاع الله (النساء: 80)

"جو اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کرتا ہے وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے"۔

پیغمبرﷺ کو مدینہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے لیے اللہ تعالیٰ کی رہنمائی حاصل تھی۔ آج خلافت اسٹیٹ کے قیام کے لیے آپ کے طریقہ واسوہ سے رہنمائی حاصل کی جائے گی۔ فرمایا: **قل هٰذه سبيلي ادعوا إلى اللّٰه على بصيرة أنا و من اتبعني (يوسف: 108)** کہہ دو یہ میرا راستہ ہے میں اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ بلاتا ہوں اور میرے ساتھی بھی"۔

مراحلِ دعوت نبوی

پہلا مرحلہ۔ رسالت محمدی کی ابتدا اس پیغام سے ہوئی کہ:

اقرأ باسم ربک الذی خلق o خلق الإنسان من علق o إقرأ و ربک الأكرمo الذی علم بالقلمo علّم الإنسان ما لم يعلمo

(الإقرأ: 5-1)

"پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، انسان کو ایک لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھو

تمہارا رب بہت ہی بخشندہ ہے، جس نے قلم کے ذریعہ سکھایا۔ انسان کو نامعلوم کا علم دیا۔"

سورۃ الضحیٰ کی آخری آیت میں کیا:

وأما بنعمة ربک فحدث (الضحی: 6)

"اپنے رب کی نعمتیں بیان کیجیے۔"

سب سے پہلے رسول اکرمؐ نے اپنے گھرانہ اور اپنے یارِ غار ابوبکرؓ کو دعوتِ حق دی۔ ابوبکر کی مدد سے ان لوگوں سے رابطہ کیا جن کے ایمان لانے کی امید تھی حتی کہ اسلام کی دعوت مکہ کے اندر معروف ہوگئی۔ یہ ابتدائی مرحلہ تین سال تک چلا اس میں مشرکین سے بغیر کسی تصادم کے صرف ایمان کی دعوت پہنچائی گئی اور جاہلیت کے طریقوں کو بھی نہیں چھیڑا گیا۔ فکر، نظریہ اور رویّوں کی تطہیر کی گئی، ذاتی تربیت پر زیادہ توجہ دی گئی تاکہ ایسی ٹیم تیار ہو جائے جو اللہ کے پیغام کی حامل ہو اور پیش آئند جاہلیت سے ہونے والے کھلے ٹکراؤ کے مقابلہ میں ڈٹی رہ سکے۔ آغازِ وحی کے وقت معاشرہ کے تصورات و افکار اور اقدار و جذبات و قوانین سب غیر اسلامی تھے۔ معاشرہ جاہلیت میں مبتلا تھا۔ اس پسِ منظر میں رسول اکرمؐ نے ابتدا یہاں سے کی کہ پیروؤں میں ایمان و عقیدہ کو مضبوط کیا اور جاہلی خیالات، اقدار و رسوم کی جگہ توحید نے لی۔ نبی اپنے صحابہؓ کو دارالأرقم میں جمع کرتے اور قرآن کی رہنمائی کے مطابق ان کی تعلیم و تربیت فرماتے۔ آج بھی مسلمانوں کو جاہلیت ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ آج بھی انسانی معاشرہ ویسے ہی ظلمت میں چلا گیا ہے جیسا اسلام سے قبل تھا اگرچہ ہم انفرادی طور پر مسلمان ہیں لہذا اقامتِ خلافت کی مہم بھی مرحلہ وار شروع ہوگی۔ ابتدائی مرحلہ میں اسلامی تصورات کا گہرا مطالعہ اور افراد کی ایسی عملی تربیت ہوگی جو انہیں اسلامی زندگی جینے کے لیے تیار کر دے۔ اس کے لیے صبر و عزم اور استقلال کی ضرورت ہوگی۔ اسلام اور اس کے نظام ہائے حیات پر اعتماد و یقین کے لیے اسلام اور اس کے نظاموں کا گہرا مطالعہ ضروری ہے۔ ایک ایسی اجتماعیت کی تشکیل کی ضرورت ہوگی جو واضح طور پر اسلامی افکار و تصورات پر غیر متزلزل یقین رکھے اور دعوت کو بلا کم و کاست اور بغیر کسی سمجھوتہ کے لوگوں تک پہنچائے۔

ٹیم ورک کی ضرورت

متفرق افراد خلافت قائم نہیں کر سکتے۔ یہ ایک اجتماعی فریضہ ہے اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ مسلمان اجتماعی طور پر کام کریں۔ نبیؐ کے صحابہ بھی انفرادی طور پر کام نہیں کرتے تھے بلکہ آپ انہیں اجتماعی طور پر حضرت ارقم کے گھر جمع کرتے، جہاں وہ اسلام کے بارے میں تعلیم دیتے، نماز پڑھتے اور ہر کام کو ٹیم ورک کے ساتھ کرنے کی تربیت کرتے۔ صحابہ کرامؓ کے اجتماعی طور پر کام کرنے کی بہت سی مثالیں ہیں۔ ایک دن صحابہ کرامؓ آئے اور باہم کہنے لگے کہ قریش نبی اکرمؐ کی تلاوت کے علاوہ خاص طور پر قرآن نہیں سن سکے ہیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ وہ قریش کو قرآن سنا کر رہیں گے، چنانچہ علی الصبح وہ کعبہ گئے اور بلند آواز سے قرآن کی تلاوت کی، قریش نے یہ دیکھتے ہی ان پر ہلہ بول دیا اور پیٹنے لگے۔ وہ صحابہؓ کے پاس لوٹ کر آئے تو ساتھیوں نے کہا کہ ''ہمیں اسی کا ڈر تھا''۔ فرمایا'' اللہ کے دشمنوں سے جو نفرت کل تھی آج زیادہ ہوگئی ہے۔ اگر آپ کی مرضی ہو تو میں کل پھر ان کے سامنے جا کر قرآن پڑھوں''، فرمایا ''نہیں تم نے بہت بڑا کام کر دیا ہے جس چیز کو وہ سننا نہیں چاہتے تم نے انہیں سنا دیا''۔ دوسری مثال یہ ہے کہ جب حبشہ میں نجاشی نے مسلمانوں کو اسلام میں حضرت عیسیٰؑ کے مقام و مرتبہ کے بارے میں قریش کی شکایتوں اور الزاموں کا جواب دینے کے لیے بلایا تو مسلمانوں نے ایک اجتماع کیا اور طے پایا کہ نجاشی کے سامنے بے کم و کاست جو قرآن میں آیا ہے وہ بتایا جائے، چنانچہ حضرت جعفر طیار کو نمائندہ بنایا گیا کہ وہ مسلمانوں کی طرف سے بات کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے نجاشی کو بھرے دربار میں فصیح و بلیغ اسلوب میں پیغامِ قرآن سنایا۔ جسے سن کر وہ نہایت متاثر ہوا اور اس نے مسلمانوں سے کہا کہ ''میری مملکت میں آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ یہاں آپ آزاد ہیں، جو بھی آپ کے ساتھ زیادتی کرے گا اسے سزا دی جائے گی۔''

رابطۂ عامہ کا مرحلہ

دعوت کی ابتدائی مرحلہ سے عوامی مرحلہ میں منتقلی درج ذیل آیت سے ظاہر ہوتی ہے۔

فاصدع بما تؤمر و أعرض عن المشركينo (الحجر:-94)

پس آپ اس حکم کو جو آپ کو کیا جارہا ہے کھول کر سنا دیجیے اور مشرکوں سے منہ پھیر لیجیے۔

اس عوامی مرحلہ میں دائمی انقلاب نے قریش کے دائرہ جاہلیت سے تصادم مول لینے کا آغاز کیا۔ ان سے لا الٰہ الا اللہ کے اقرار کا مطالبہ کیا اور کئی ایسے اقدامات کیے کہ اسلام ان کے درمیان بحث و گفتگو کا موضوع بن جائے۔ سب سے پہلے آپ نے اپنے رشتہ داروں اور قریش کے روساء کو اپنے گھر ایک دعوت پر بلایا۔ اپنی دعوت ان کے سامنے رکھی اور ان کے مان لینے کے نتیجے میں جنت اور اس کی نعمتوں اور نہ ماننے کے نتیجے میں دوزخ کی آگ کا تذکرہ کیا جس کی صفت یہ ہے کہ:

يوم نقول لجهنم هل امتلأت و تقول هل من مزيد (ق: 30)

''جس دن ہم دوزخ سے کہینگے تو بھر بھی گئی اور وہ کہیگی کچھ اور بھی ہے؟۔''

رسولؐ نے کوہ صفا کی چوٹی پر چڑھ کر بھی آواز لگائی اور قریش کے تمام قبائل کو یوں پکارا:

أريتم إن أخبرتكم أن العدو و مصبحكم و ممسيكم، ما كنتم تصدو قونني؟ ''قالوا: 'بلى' قال: فإني نذير لكم بين يدى عذاب شديد. (البخارى)

''مجھے بتاؤ اگر میں تم سے کہوں کہ دشمن صبح یا شام پس آیا ہی چاہتا ہے تو کیا تم میری تصدیق کروگے۔ کہنے لگے کیوں نہیں۔ کہا تو میں تمہیں ایک برے عذاب کی وارننگ دے رہا ہوں۔''

اجتماعی عمل کی تیسری مثال حضرت حمزہؓ اور عمرؓ ابن خطاب کے ایمان لانے کے بعد کے اقدامات ہیں کہ نبیؐ نے صحابہ کرامؓ کے دو گروپ تشکیل دیے۔ ایک گروپ کی قیادت حمزہؓ کر رہے تھے دوسرے کی حضرت عمرؓ۔ پھر انہوں نے کعبہ کے اطراف میں مارچ کیا۔ اس سے مکہ کے لوگوں کو ایک جھٹکا لگا۔ پہلی بار انہیں یہ احساس ہوا کہ مسلمانوں کی بنیاد مضبوط ہے۔ اس مظاہرہ سے قبل مسلمانوں نے انفرادی طور پر نماز پڑھی، دعا کی، پھر کعبہ میں اجتماعی طور پر نماز پڑھی۔ ان واقعات نے نبیؐ اور صحابہؓ کو دعوت کے مرحلۂ تصادم میں داخل کر دیا۔ اس مرحلہ میں پیغمبرؐ نے

مسلمانوں کو ایک متحدہ قوت اور منظّم گروپ کی شکل میں پیش کیا جو سوسائٹی کی اقدار، تصورات و اعمال، جذبات، طریقۂ اقتدار اور امورِ زندگی، نظم و انصرام کو بدلنے اور معاشرہ کو چیلنج کرنے کو اٹھا ہے۔ پیغمبر کے اِس عمل نے جاہلیت کے علمبرداروں سے بغیر کسی سمجھوتہ کے تصادم مول لیا۔ انہو نے جاہلیت کی طبقاتی اور ثروت مندی پر مبنی اقدار کو چیلنج کیا جیسا کہ ذیل کی آیت سے ظاہر ہے:

ویل لکل همزة لمزةo الذی جمع مالاً و عددهo یحسب أن ماله أخلدهo کلا لینبذن فی الحطمةo (الهمزة: 4-1)

''بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کی جو عیب ٹٹولنے والا، غیبت کرنے والا ہو، جو مال کو جمع کرتا جائے اور گنتا جائے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس سدا رہے گا، ہرگز نہیں یہ تو ضرور توڑ پھوڑ دینے والی آگ میں پھینک دیا جائے گا''۔

الهاکم التکاثرo حتی زرتم المقابرo کلا سوف تعلمونo

(التکاثر: 3-1)

''تمہیں غفلت میں ڈال دیا ہے دنیاوی مال کی حرص نے، حتی کہ تم قبروں میں پہنچ جاتے ہو۔ ہرگز نہیں، اپنے اس عمل کا برا نتیجہ دیکھ ہی لوگے''۔

مفلسوں اور محروموں کے بارے میں قریش کی سرد مہری اور منافقت کے رویہ پر تنقید کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا:

أریت الذی یکذب بالدین o فذالک الذی ید ع الیتیمo ولا یحض علی طعام المسکینo (المسکین: 3-1)

''کیا تم نے اسے بھی دیکھا جو روزِ جزا کو جھٹلاتا ہے، یہی وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا''۔

ان کے عملی رویوں پر گرفت کرتے ہوئے فرمایا:

ویل للمطففین o الذین إذا کتالوا علی الناس یستوفون o و إذا کالوهم أو و زنوهم یخسرونo (المطففین: 3-1)

''بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو

پورا لیتے ہیں اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں''۔

قریش کے لیڈروں سے خطاب کرتے ہوئے کہا گیا:

تبت یدا أبی لهب وتب o ما أغنی عنه ماله وما کسب o یصلی نارا ذات لهب o و امرأته حمالة الحطب o فی جیدها حبل من مسد o (المسد: 5-1)

ترجمہ: ''ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے وہ خود ہلاک ہوگیا۔ نہ تو اس کا مال اس کے کام آیا نہ کمائی۔ وہ عنقریب بھڑکنے والی آگ میں جائے گا، اور اس کی بیوی بھی جو لکڑیاں ڈھونے والی ہے اس کی گردن میں پوست کی بٹی ہوئی رسی ہوگی''۔

قریش کے ایک سرکش لیڈر الولید بن مغیرہ کی ذہنیت اور نفسیات پر یوں روشنی ڈالی:

فلا تطع المکذبین o ودوا لو تدهن فیدهنون و لا تطع کل حلاف مهین o هماز مشاء بنمیم o مناع للخیر معتد أثیم o عتل بعد ذٰلک زنیم o أن کان ذا مال و بنین o إذ تتلی علیه آیاتنا قال أساطیر الأولین o سنسمه علی الخرطوم o (القلم: 16-8)

''تم جھٹلانے والوں کی نہ مانو، وہ تو چاہتے ہیں کہ تم ذرا ڈھیلے پڑو تو یہ بھی ڈھیلے ہو جائیں۔ اور تو کسی ایسے شخص کا بھی کہا نہ ماننا جو زیادہ قسمیں کھانے والا بے وقار، کمینہ، عیب جو، چغل خور، بھلائی سے روکنے والا، حد سے بڑھ جانے والا گنہگار، سخت مزاج ہو ساتھ ہی بے نسب ہو۔ اس کی سرکشی صرف اس لیے ہے کہ وہ مال والا اور بیٹوں والا ہے، جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہہ دیتا ہے کہ یہ تو اگلوں کے قصے ہیں، ہم بھی اس کی سونڈ (ناک) پر داغ دیں گے۔''

قریش کے ساتھ اس فکری معرکہ میں، جس میں جاہلیت کے تمام تصورات واشکال پر شدید ضربیں لگائی گئی ہیں، پیغمبرؐ کے تعلقات شدید طور پر کشیدہ ہوگئے۔ وہ آپؐ کے دشمن بنتے چلے گئے۔ آپؐ کی دعوت ان کی گفتگو کا موضوع بن گئی۔ وہ ایک دوسرے کو آپ کی شخصیت کے خلاف بھڑکانے

لگے۔ انہوں نے آپ کے چچا ابو طالب سے بھی شکایت کی کہ:

''ہم اس بات کو مزید برداشت نہیں کر سکتے کہ ہمارے پرکھوں کی ملامت کی جائے، رسوم و رواج کا مذاق اڑایا جائے اور ہمارے خداؤں کی توہین کی جائے''۔

فکری معرکہ

فکری تصادم کے اس مرحلہ میں جماعت اپنے آپ کو دعوت کے حامل کے طور پر پیش کرے گی اور اسلام پر اسی اعتماد و بھروسہ کا اظہار کرے گی جو صحابہؓ کو حاصل تھا۔ یہ چیز بغیر اس کے حاصل نہ ہوگی کہ تمام غیر اسلامی اقدار نظامات، افکار و تصورات کے خلاف ایک عقلی و فکری جنگ چھیڑ دی جائے۔ رائج نظاموں اور اقدار و تصورات میں پائے جانے والے کرپشن اور خرابیوں کو واضح اور بے نقاب کر کے ایسا کیا جا سکتا ہے۔ ایک خالص اسلامی تحریک کو رائج نظام اور افکار و تصورات جو اسلام کے خلاف ہوں کے خلاف ایک فکری و عقلی یلغار کرنی چاہیے۔ اور رسولؐ کے منہج کی پیروی میں سرمایہ داری، ڈیموکریسی، کمیونزم، نیشنل ازم اور ہر دوسرے ازم کو مسترد کرنا چاہیے۔ غیر اسلامی اعمال، اقدار قوانین اور ضوابط کو چیلنج کرنا چاہیے۔ معاشرہ میں بیداری پیدا کی جائے تا کہ لوگ غیر اسلامی خیالات سے نجات پائیں۔ جو حکمراں، بادشاہ، لیڈر اور شخصیات بھی دعوت کے راستہ میں رکاوٹ بنیں انہیں معاشرہ کے سامنے بے نقاب کرنا چاہیے۔ ان کی سازشیں، زیادتیاں، اسلام کے خلاف پالیسیاں قوم کے سامنے رکھی جائیں۔ یہی اسوۂ نبوی ہے اور جو لوگ اس پر عمل پیرا نہ ہوں وہ سنت اور منہج نبوی سے منحرف ہیں۔

سمجھوتہ

جب قریش دلیل و برہان کے میدان میں ناکام ہو گئے اور رسول اکرمؐ کو اپنی مہم سے روک نہیں سکے تو انہوں نے سودے بازی اور گفتگو کا آغاز کیا۔ قریش کے سرداروں نے کئی وفود نبیؐ کے پاس بھیجے۔ انہوں نے آپؐ پر دولت و قیادت کی پیشکش کی۔ آپ نے دعوت پر سمجھوتہ اور سودے بازی کی تمام پیش کشوں کو مسترد کر دیا۔ ایک طرف مسلسل ظلم و جبر اور دوسری طرف کامیابی کی خواہش اہلِ

ایمان کواس پوزیشن میں لاسکتی ہے کہ وہ سمجھوتہ کے لیے آمادہ ہو جائیں۔لیکن منہجِ نبوی بتاتا ہے کہ یہاں نہ تو کوئی سمجھوتہ ہوسکتا ہے، نہ آدھا ادھورا حل چلتا ہے۔اسلام جاہلیت سے سمجھوتہ نہیں کر سکتا۔یہ نہیں ہوگا کہ آدھا اسلام ہواور آدھی جاہلیت ہو۔پورے طور پر یا تو شریعتِ الٰہیہ نافذ ہوگی یا نہیں۔

وأنِ احكم بينهم بما أنزل الله ولا تتبع أهواء هم و احذرهم أن

يفتنوك عن بعض ما أنزل الله إليكo (المائدة: 49)

''اوران کے درمیان اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیجیے ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے۔ان سے ڈریے کہ یہ آپ کواللہ کے بعض احکام سے نہ روک دیں''۔

اس طرح کسی غیراسلامی گورنمنٹ میں اسی لیے شامل ہو جانا کہ بعض امور کومثلاً عدلیہ میں وہ اسلام کونافذ کرے گی، منہجِ نبوی سے مطابقت نہیں رکھتا، بتدریج اسلام کا نفاذ اسلام اور غیراسلام کو ملانا ہے جو ناممکن ہے، اسی طرح منہجِ نبوی مقصد میں سمجھوتہ کی اجازت نہیں دیتا۔مقصد خلافت کی اقامت ہے۔جو تمام مسلمانوں کی واحد قیادت ہوگی۔اس مقصد میں کوئی سمجھوتہ نہیں ہوسکتا۔نبیؐ نے بنوعامر کی مدد لینے سے اس لیے انکار کر دیا تھا کہ وہ نبیؐ کے بعد قیادت چاہتے تھے،آپؐ نے بنوشیبان بن شعلبہ کی پیش کش بھی ٹھکرا دی تھی جنہونے یہ شرط رکھی تھی کہ وہ پیغمبر کی تمام عربوں سے تو حفاظت کریں گے لیکن ایرانیوں سے نہیں۔مقصد اقتدار برائے اقتدار نہیں کیونکہ اگر اسلامی منہج سے انحراف کیا جائے گا تو اقامتِ خلافت کے کوئی معنی نہیں ہوں گے۔اگرچہ اس مقصد کا نشانہ اللہ کی حاکمیت کو دنیا میں قائم ہے تاہم حتمی ہدف رضائے الٰہی کا حصول ہے۔اس طرح انفرادی یا اجتماعی کوئی بھی کام ہوصرف اللہ کی خوشنودی کے لیے ہونا چاہیے کسی اور کی رضا کے لیے نہیں۔کسی جماعت،اس کی قیادت اور ممبران کے اخلاص کا پتہ ان کے کاموں سے چلے گا۔اخلاص ہی کامیابی کا راستہ منور کرے گا،تبھی اللہ کی نصرت حاصل ہوگی۔

ظلم و جبر

جب ان کی یہ تدبیریں ناکام ہوں گئیں تو قریش نے وحشیانہ مظالم شروع کردئے۔جن مسلمانوں کو رائج سماجی نظام میں کوئی تحفظ حاصل نہ تھا انہیں زیادہ مصیبتیں اٹھانیں پڑیں۔انہیں قید و بند میں ڈالا گیا، ٹارچر کیا گیا اور کئی ایک کو مار ڈالا گیا۔انہو نے خود پیغمبر کی مبارک ذات کو بھی نشانہ بنایا، ان پر سختیاں کیں، جھوٹے پروپیگنڈے کئے اور جسمانی نقصان بھی پہچانا چاہا۔ان وحشانہ مظالم کو دیکھ کر پیغمبر نے صحابہؓ کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دی۔قریش نے یہ دیکھ کر کہ صحابہ حبشہ میں آرام سے ہیں اور عمرؓ بن خطاب اور حمزہؓ نے اسلام قبول کرلیا ہے، اسلام پھیلتا جا رہا ہے، تو انہوں نے پیغمبر اسلام ﷺ، صحابہؓ اور ان کا ساتھ دینے والے بنو ہاشم اور بنو مطلب کے مقاطعہ اور بائیکاٹ کا معاہدہ لکھا کہ ان لوگوں سے نہ شادی بیاہ ہوگا نہ خرید و فروخت اور نہ لین دین کیا جائے۔اور ان کو ایک بوسیدہ گھاٹی شعب ابو طالب میں محصور کردیا۔یہ شدید بائیکاٹ نبوت کے ساتویں سال سے دسویں سال تک جاری رہا۔اس بائیکاٹ کے ختم ہونے کے کچھ ہی بعد پیغمبر اسلام ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ اور چچا ابو طالب یکے بعد دیگرے دونوں وفات پا گئے۔اس شدید نقصان کے باعث اس سال کو عام الحزن یعنی غم کا سال کہا گیا۔اس طرح کی کشمکش کے باعث اسلامی تحریک کو عام لوگوں کے غیض و غضب کا سامنا کرنا پڑا۔آج بھی ملکوں کے حکمراں اس جدوجہد میں شریک لوگوں کو ظلم و جبر کا نشانہ بنائیں گے۔قید و بند، قتل، بائیکاٹ، جلاوطنی اور لعنت و ملامت وغیرہ کا سامنا کرنا پڑے گا۔یہ ہونا ناگزیر ہے، تاہم یہ اہل ایمان کو اپنے مقصد سے نا ہٹا سکے نگے۔اور اپنی نہج سے وابستہ رہیں گے، اپنے مقاصد کے متعلق سمجھوتہ نہ کریں گے۔

قربانی

اقامت خلافت اور اسلام کی حاکمیت کی بحالی کی جدوجہد تمام محبوبات کی قربانی مانگتی ہے۔اس کا تقاضہ ہے کہ صبر و عزیمت اور ہر قسم کی جسمانی، روحانی اور مالی نقصانات برداشت کئے جائیں۔لہٰذا اہل ایمان کو چاہئے کہ ان تمام چیزوں سے اپنے آپ کو بچائیں، جو اس مشن کی راہ میں

حائل ہوں۔ یہ یقین رکھنا چاہیئے کہ ایمان والوں کی آزمائش اچھے اور برے کی تمیز کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ یہ قانون الٰہی ہے، جیسا کہ فرمایا:

احسِبَ النَاسُ اَن یُترَکُوا اَن یَقُولوا آمَنَا وَهُم لا یُفتَنُونَ وَلَقَد فَتَنَا الَذِینَ مِن قَبلِهِم فَلَیَعلَمَنَ اللہُ الَذینَ صَدَقُوا وَلَیَعلَمَنَ الکَاذِبین ﴿سورة العنكبوت﴾

بعضے مسلمان جو کفار کی ایذاؤں سے گھبرا جاتے ہیں تو کیا اُن لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے پر چھوٹ جائینگے ہم ایمان لے آئے اور اُن کو آزمایا نہ جائیگا؟ اور ہم تو ایسے واقعات سے اُن لوگوں کو بھی آزما چکے ہیں جو اُن سے پہلے مسلمان ہو گزرے ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو جان کر رہیگا جو [ایمان کے دعوے میں] سچے تھے۔

وہ انبیاء اور رسل جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو نافذ کیا اور وہ لوگ جنہوں نے اُن نبیوں اور رسولوں کا اتباع کیا وہ تمام ایسی ہی آزمائشوں سے گزرے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اُن کے مصائب کا بارہا ذکر کیا ہے:

ام حَسِبتُم اَن تَدخُلوا الجنة وَ لَمَّا یَاتِکُم مَثَلُ الذِینَ خَلَوا مِن قَبلِکُم مَسّتهُم البَاساء وَ الضّرَّاءُ وَ زُلزِلُوا حَتّی یَقُولَ الرَسُولُ وَالذِینَ آمَنُوا مَعَهُ مَتی نَصرُ اللہِ اَلَا اِنّ نَصرَ اللہِ قَرِیب ﴿سورة البَقَرة﴾

کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ جنّت میں بے مشقت داخل ہو جاؤ گے؟ حالانکہ تم کو ہنوز اُن مسلمان لوگوں کا سا کوئی عجیب واقعہ پیش نہیں آیا جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ اُن پر مخالفین کے سبب ایسی ایسی تنگی اور سختی واقع ہوئی اور مصائب سے رہے اُنکو یہاں تک جنبشیں ہوئیں کہ اُس زمانے کے پیغمبر تک جو اُن کے ہمراہ اہلِ ایمان تھے بول اُٹھے کہ اللہ تعالیٰ کی امداد موجود کب ہوگی؟ یاد رکھو بیشک اللہ تعالیٰ کی امداد بہت نزدیک ہے۔

لہٰذا وہ مومنین جو احیاءِ خلافت کی دعوت کیلئے کھڑے ہونگے، اُن کیلئے یہ ناگزیر ہے کہ وہ مصائب و مشقتوں اور ظلم و جبر کو برداشت کریں۔ ظالم اور جابر حکمرانوں کی سازش اُنہیں اِس عظیم مقصد سے منہ پھیرنے پر مجبور نا کر دے اور نا اُن کے عزم کو کمزور کر پائے بلکہ مومنوں کو تو اُن مصائب و

آلام کا انتظار کرنا چاہئے اور تیار رہنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ پہلے ہی بتا چکا ہے کہ اُسکی مدد تب ہی آئی جب اُسکے رسول بھی مصائب جھیلتے جھیلتے قدرے مایوس سے ہوگئے۔

حَتّٰی اِذا استَیئَسَ الرُسُلُ وَظَنُّوا اَنَّھُم قَد کُذِبُوا جَاء ھُم نَصرُنَا ﴿سورۃ یوسف:110﴾

لٰہذا یہ خدائی قانون طے ہے کہ مدد اور فتح تب ہی آئیگی جب مشکلات اور مصائب بہت زیادہ بڑھ جائیں۔ چنانچہ مومن پر ضروری ہے کہ وہ صبر اور استقامت پر رہیں اور یہ سمجھ لیں کہ اِس دعوت پر لبیّک کہنا اُنہیں زیادہ محبوب ہو بنسبت اپنی جان، مال، خاندان اور اپنی آسائشوں کے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قل ان كان آباء كم و أبناء كم و اخوانكم و أزواجكم و عشيرتكم و اموال اقترفتموها و تجارة تخشون كسادها ومساكن ترضونها أحب اليكم من الله و رسوله وجهادفی سبيله فتربصوا حتٰی يأتی الله بأمره والله لايهدی القوم الفاسقينo (التوبہ: ۲۴)

ترجمہ: ’’کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ، بیٹے‘ بھائی‘ شوہر اور کنبہ کے لوگ اور وہ مال جو تم نے کمائے اور وہ تجارت جس کے مندا پڑ جانے کا تمہیں خوف ہے اور تمہارے من پسند مکانات تمہیں اللہ‘ اس کے رسول اور اس کے راستے میں جہاد سے زیادہ محبوب ہوں تو انتظار کرو حتیٰ کہ اللہ اپنا حکم لے کر آ جائے اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔‘‘

مدد و تعاون کی تلاش

عام الحزن یعنی غم کے سال کے بعد پیغمبر ﷺ نے مکہ کے باہر کے قبیلوں پر اپنی دعوت کو پیش کیا۔ جب بھی کوئی موقع آتا بطور خاص موسم حج میں جب بہت سے قبیلے مکہ آتے‘ آپ ان کو اپنے اوپر ایمان لانے کی دعوت دیتے ور اپنی حفاظت کا مطالبہ کرتے، جب تک ان پر اپنا پیغام واضح نہ

کردیں جس کی ذمہ داری آپ کو دی گئی ہے۔ جب پیغمبر نے اپنی دعوت کو ثقیف، کندہ، بنو عامر بن صعصہ، بنو کلب اور بنو حنیفہ کے متعدد قبائل پر پیش کیا تو بنو عامر نے کہا کہ اگر ہم آپ کو تحفظ دیں اور اللہ آپ کو فتح یاب کردے تو کیا آپ کے بعد اقتدار ہم کو مل جائے گا، آپ نے جواب دیا کہ معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے گا عنایت کرے گا۔ أرأيت ان نحن با يعناك على أمرك، ثم أظهرك الله على من خالفك، أيكون لنا الأمر من بعدك؟ قال الأمر الى الله يضعه حيث يشاء" الغرض ان میں سے کوئی قبیلہ بھی آپ ﷺ کے تعاون کے لیے تیار نہ ہوا۔

اس اثناء میں جب نبی ﷺ مختلف قبائل کو دعوت ونصرت کیلئے مخاطب کر رہے تھے العقبہ میں آپ کی ملاقات مدینہ کے قبیلہ خزرج کے کچھ لوگوں سے ہوئی۔ انہوں نے دعوت کا مثبت جواب دیا اور اسلام قبول کرلیا۔ جب وہ مدینہ واپس ہوئے تو انہوں نے وہاں اپنے دوست واحباب کو پیغمبر اور ان کی تعلیمات کے بارے میں بتایا اور قبول اسلام کی دعوت دی۔ دوسرے سال مدینہ کے بارہ لوگوں نے العقبہ میں آپ سے بیعت کی (ان کو انصار کہا گیا) اور حضرت مصعب بن عمیر کے ساتھ لوٹے جنہوں نے ان کو دینی تعلیمات سکھائیں اور اسلام کی دعوت مدینہ میں عام کی۔ حتیٰ کہ نبی ﷺ مدینہ میں معروف ہوگئے اور اسلام اور پیغمبر اسلام کا چرچا مدینہ کے گھر گھر میں ہونے لگا۔ دوسرے سال مصعبؓ کے ساتھ ۷۳ آدمی اور دو خواتین پیغمبر اسلام سے ملنے کے لیے روانہ ہوئیں۔ اسی دوسری بیعت کو بیعت الحرب (جنگ کی بیعت) کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ کو ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد اللہ کے حکم سے آپ ﷺ نے خود بھی حضرت ابوبکرؓ کو لے کر مدینہ ہجرت کی اور وہاں پہلی اسلامی ریاست قائم کی گئی۔

رائے عامہ کی اہمیت: سماج میں اسی خیال کی اہمیت ہوتی ہے جسے رائے عامہ کی تائید حاصل ہوتی ہے، انفرادی خیالات کی اہمیت نہیں ہوتی۔ رائے عامہ پر بالعموم اجتماعی سرگرمیاں موئثر ہوتی ہیں جو کہ اجتماعی شعور کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ افراد کے فکر وخیال کا اتنا اثر نہیں ہوتا۔ کیونکہ افراد کے شعور پر جماعت کا شعور غالب آجاتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ قریش کو رائے عامہ کے دباؤ میں بائیکاٹ کو منسوخ کرنا پڑا۔ حالانکہ ابوجہل اور دوسرے سرداران قریش نے اس منسوخی کی

زبردست مخالفت کی تھی۔ نہ یہ ممکن ہے نہ ضروری کہ معاشرہ کا ہر ہر فرد دعوت کو قبول کر لے تاہم معاشرہ کی اجتماعی سوچ اور روح اسلامی ہونی چاہیے۔ چنانچہ جب مصعب بن عمیرؓ نے مدینہ سے لوٹ کر رپورٹ دی تو بتایا کہ ہر شخص نے اسلام کو قبول نہیں کیا لیکن اسلام کی روشنی ہر گھر میں پہنچ چکی ہے اور لوگوں کی اجتماعی سوچ اسلامی ہے۔ اسی بنیاد پر پیغمبر نے فیصلہ کیا کہ مدینہ اسلامی ریاست کا صدر مقام بن سکتا ہے۔

معاشرتی رابطہ کی اہمیت:

عوامی رائے مستقل رابطہ کے ذریعے بنائی جاسکتی ہے۔ جو لوگ معاشرہ کو بدلنا چاہتے ہوں انہیں لوگوں کے ساتھ رہنا ہوگا۔ اس معاملہ میں انفرادیت اور عزلت پسندی سے کام نہیں چلتا۔ معاشرہ کو اسلام کے حق میں شدید عقلی وفکری و سیاسی جدو جہد کے ذریعے جیتا جاسکتا ہے۔ اسی لیے ضروری ہے کہ مسلمان تحریکوں کو ہر میدان میں وہ کام کرنے چاہیں جو امت کے حق میں ہوں اور امت کو ظلم وزیادتی کے خلاف اور اپنے حقوق کی بازیافت کے لیے کھڑا کریں۔ سب سے بڑا ظلم جو امت کی حق میں ہو رہا ہے وہ اس کے عقیدہ اور مسلک کے خلاف اس پر کافرانہ قوانین کا مسلط ہونا ہے۔ امت کو اس پر اصرار کرنا چاہیے کہ نجات دہندہ صرف اسلام ہے اور یہ کہ وہ مسلط سیکولر نظاموں کو مسترد کرنے کی طاقت رکھتی ہے۔

بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ محض ایک اسلامی دستور کے نفاذ سے اسلامی نظام قائم ہو جائے گا۔ یہ تصور محض ایک خواب وخیال ہے اور منہج نبوی سے انحراف ہے۔ پیغمبر نے معاشرہ سے رابطہ رکھا تاکہ سماج کو اسلامی سیاسات اور رجحانات کے مطابق ایسے ڈھال دیں جو اللہ کی مرضی کے مطابق ہو اور جو اللہ کی ناپسند ہو وہ ان کی ناپسند ہو جائے اور اسلامی رجحانات کو معاشرہ کا غالب شعور بنادیں تاکہ ہر چیز کو حلال وحرام کے پیمانہ پر ناپنے لگے۔ جب مدینہ میں یہ تصورات حقیقت میں ڈھل گئے تو وہاں ایک اسلامی معاشرہ وجود میں آ گیا۔

خلافت کی واپسی قریب ہے

اہل ایمان کو اللہ پر کامل بھروسہ اور اعتماد ہونا چاہیے کہ اللہ کی نصرت ضرور حاصل ہوگی اور خلافت

ضرور قائم ہوگی۔اس کے قیام کے سلسلے میں پیغمبرﷺ نے خوش خبری دی ہے۔امام احمد کی مسند میں روایت ہے کہ پیغمبرﷺ نے فرمایا:

تکون النبوة فیکم ماشاء الله أن تکون ثم یرفعهااذاشاء أن یرفعهاثم تکون خلافة علی منهاج النبوه فتکون ما شاء الله اَن تکون ثم یرفعهااذاشاء الله أن یرفعهاثم تکون ملکاعاضافیکون ماشاء الله أن یکون.ثم یرفعهااذاشاء.أن یرفعها ثم تکون ملکا جبریة.فتکون ماشاء الله أن تکون ثم یرفعها اذا شاء أن یرفعها ثم تکون خلافة علی منهاج النبوة.

ترجمہ: تمہارے درمیان نبوت ہوگی جب تک اللہ چاہے گا۔پھر جب اللہ اسے اٹھانا چاہے گا اٹھالے گا۔پھر خلافت علی منہاج النبوت ہوگی جب تک اللہ چاہے گا پھر جب اللہ چاہے گا اسے اٹھالے گا۔پھر کاٹ کھانے والی بادشاہت ہوگی جب تک اللہ چاہے گا پھر جب اللہ چاہے گا اسے اٹھالے گا۔پھر جبر وقہر کی بادشاہت ہوگی جب تک اللہ چاہے گا۔اس کے بعد پھر خلافت علی منہاج النبوت ہوگی۔

یہ حدیث پیغمبرانہ اانشانیوں میں سے ایک ہے کیونکہ مستقبل کی خبر دیتی ہے۔بیان کردہ واقعات میں سے اکثر گزر چکے ہیں۔نبوت،خلافت علی منہاج النبوۃ،کٹکنی بادشاہت اور جبر کی بادشات واقع ہوچکی ہے۔اب صرف آخری ٹکڑا یعنی دوبارہ خلافت علی منہاج النبوت کا بحال ہونا باقی ہے۔

ایک دوسری حدیث میں نبیﷺ نے یہ بیان فرمایا کہ خلافت کی حدود کتنی وسیع ہونگی اوراس کی کیا کیا فتوحات ہونگی۔امام احمدؒ اورالدارامی نے ابوقبیل کی روایت بیان کی ہے کہ:

کنا عند عبد الله بن عمروبن العاص، وسُئل ای المدینتین تفتح اولاً القسطنطنیه او رومیة ؟ فد عا عبدالله بصندوق له خلق' قال: فاخرج منه کتاباً قال: فقال عبدالله : بینما نحن حول رسول اللهﷺنکتب' اذ سئل رسول الله ﷺ ای المدینة تفتح أولاأقسطنطنیه أورومیة؟ فقال رسول الله ﷺ مدینه حرقل تفتح أولأ یعنی قسطنطنیه.

ترجمہ: ہم عبداللہ بن عمرو بن العاص کے پاس تھے تو پوچھا گیا کہ کون سا شہر پہلے فتح ہو

گا قسطنطنیہ یا روم؟ تب عبداللہ نے اپنا ایک پرانا صندوق منگوایا' اس میں سے ایک تحریر نکالی
پھر کہا: جب ہم رسول اللہ ﷺ کے چاروں طرف بیٹھے لکھ رہے تھے تو آپ سے پوچھا گیا
کہ کون سا شہر پہلے فتح ہو گا قسطنطنیہ یا روم؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ہرقل کا شہر پہلے فتح
ہو گا یعنی قسطنطنیہ۔''

یہ حدیث بتاتی ہے کہ مسلمان اٹلی کا پایہ تخت روم فتح کریں گے جو پوپ کا صدر مقام اور عیسائیت کا مرکز ہے اور خلافت واپس ہو گی اور باقی رہے گی۔

اللہ کی نصرت:

اس بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یا ایھا الذین(م آمنو ا ان تنصرو االله ینصو کم و ثبت اقدامکم.

ترجمہ: ''اے ایمان والوں اگر تم اللہ کی مدد کرو گے اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا۔'' (محمد:۷)

اللہ نے اپنی فتح و نصرت سے ان لوگوں کو نوازنے کا وعدہ کیا جو اس کے دین کی مدد کریں گے۔ فرمایا: **ولینصرن الله من ینصرہ (الحج: ۴۰)**

''اللہ اپنے مددگاروں کی ضرور نصرت فرمائے گا۔''

بلکہ اہل ایمان کی مدد و نصرت تو اس نے اپنے اوپر ضروری قرار دی ہے۔ فرمایا:

و کان حقا علینانصر المئو منین . (الروم:۴۷)

اور اہلِ ایمان کو غالب کرنا ہمارے ذمہ تھا۔

فتح و نصرت کا وقت اللہ ہی کو معلوم ہے' لیکن جب اللہ نصرت چاہے گا وہ اس کے حصول کے ذرائع اور طریقے آسان فرمادے گا اور ایسے مساعد و ہموار حالات پیدا کردے گا کہ ان سے اہل ایمان کو نصرت کا علم ہو گا۔ اس لیے ہمیں پختہ یقین ہونا چاہیے کہ جتنا زیادہ ہم دین کی مدد و نصرت کریں گے اتنی ہی بڑی اور قریب تر اللہ کی نصرت ہمارے لئے ہو گی۔ اس طرح اللہ کی طرف سے فتح اور انعام کے حصول کے لیے ہمیں صرف اور صرف اسی کی اطاعت کرنی چاہیے۔ اس بات پر غیر مشروط ایمان ہونا چاہیے کہ وہی تنہا مالک' رب' خالق اور مارنے جلانے والا ہے' عزت و ذلت

اسی کے ہاتھ میں ہے، وہی تنہا فتح دے سکتا ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ ہم میں سے کوئی بھی نہیں مر سکتا جب تک تقدیر میں جو لکھا ہے اسے کھا نہ لے۔

اے اہل ایمان اللہ کی پکار پر لبیک کہو

صحابہ اکرامؓ کو اللہ کی مدد و نصرت اس لیے حاصل ہوئی کہ انہوں نے اللہ کی پکار پر لبیک کہا۔ اپنے اخلاص کا مظاہرہ کیا، اپنی ثروت اور اپنی زندگیاں اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے لیے لگا دیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ مل کر انہوں نے جاہلیت کے ملبہ اور کفر کی سرزمین میں پہلی اور خالص اسلامی ریاست قائم کر دی۔ آج بھی مسلمان قوم کو ان اہل ایمان کی ضرورت ہے جو اللہ کی پکار پر لبیک کہیں اور امت مسلمہ کو اسلام کی حاکمیت کی بحالی کی جدو جہد میں لگا دیں۔ اس کام کے لیے ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو اپنے فرائض کا احساس ہو جس سے صرفِ نظر کرنے پر وہ اللہ کے غضب کا مستحق بن رہا ہے۔ اسے اللہ کی کتاب اور سنت کی پابندی کا احساس دلایا جائے۔

پھر سب سے بڑھ کر اقامت خلافت کو جو مطلوب ہے وہ یہ کہ اہل ایمان پوری امت کے اندر اسلامی احساس وشعور پیدا کر دیں جیسا کہ سیرت رسول اللہ ﷺ کا تقاضہ ہے۔ وہ احساس ذمہ داری جو مومن کو امت سے رابطہ کرنے پر مجبور کر دے تا کہ امت کا اسلام پر اعتماد بحال ہو اس حد تک کہ اسلام کے علاوہ انہیں کوئی متبادل نظر نہ آئے۔ قہوہ خانوں، دکانوں، یونیورسٹیوں اور مسجدوں میں ہر جگہ لوگوں سے ملا جائے اور ان کے اندر اللہ پر اعتماد اور یقین بحال کیا جائے اور امت کو اس قابل بنا دیا جائے کہ وہ آمر و جابر حکمرانوں کے سامنے کھڑی ہو جائے، غیر اسلامی حکومتوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے، خوف و دہشت کا لبادہ اتار پھینکے جو جابر تانا شاہوں نے اس کے اوپر مسلط کر رکھی ہے۔ اسی وقت امت کھڑی ہو گی اور غیر اسلامی حکومتوں کی جگہ خلافت قائم کرے گی۔ تمام مسلمانوں کو ایک ریاست میں متحد کر کے اور ایک لڑی میں پرو کر خلافت اسلامی ریاست کو دنیا کی ایک بڑی طاقت میں تبدیل کر دے گی۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا:

يا ايها الذين آمنو ا استجيبوا لله و للرسول اذادعاكم لمايحيكم

(انفال: ۲۴)

اے ایمان والوں اللہ اور رسول کی پکار پر لبیک کہو جب تمہیں حیات بخش چیز کی طرف بلائیں۔